© rasailojaraid.com

ترجمہ وتلخیص

روس میں اسلامی علوم کا مطالعہ

(انقلاب کے بعد)

ڈاکٹر کبیر احمد جائسی (علیگ)

اکتوبر ۱۹۱۷ء میں جب روس میں پرولتاری انقلاب آیا تو اِس سے اُس کے گرد و نواح میں واقع چھوٹی چھوٹی وسط ایشیائی خان شاہیاں بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہیں۔ اِن خان شاہیوں میں عہد وسطیٰ کا نظام حکومت رائج تھا اور امرا کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ بیرونی دنیا میں جو سیاسی سماجی اور تہذیبی تبدیلیاں ہو رہی ہیں ان سے عوام واقف نہ ہو سکیں لیکن انقلابِ روس کا پرولتاری سیلاب تین سال کے قلیل عرصے میں وسط ایشیا کی ساری خان شاہیوں کو بہا لے گیا اور یہ سب کی سب سوویت سوشلسٹ جمہوریہ کا ایک حصہ بن گئیں۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے روس میں قدیم زمانے ہی سے اسلامی علوم کے مطالعے کی روایت موجود تھی اور مخالفانہ سہی روس میں برابر اسلامی علوم کا مطالعہ کیا جاتا تھا اکتوبر انقلاب کے بعد روسیوں کی یہ روش برقرار رہی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ انقلاب کے بعد اسلامی علوم کے مطالعے میں اضافہ ہوا تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔ اس کے چند در چند اسباب تھے۔ اول تو یہ کہ وسط ایشیا کی تقریباً ساری آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے اور یہ پورا علاقہ روس میں ضم ہو چکا تھا۔ یہاں کے عوام پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے اور ان کو اپنا ہم گام و ہم آواز بنانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ ان کے مذہب کے بارے میں کچھ نہ کچھ کام کیا جاتا رہے دوسری وجہ یہ تھی کہ مارکسی نقطۂ نظر کو وسط ایشیا میں عام کرنے کے لیے بھی اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ وسط ایشیائی عوام کے مذہب، ان کی تاریخ اور ثقافت کا مطالعہ اِس نہج سے کیا جائے اور اِس کے نتائج اِس انداز سے برآمد کیے جائیں کہ یہ لوگ خود کو سوشلسٹ اور صرف سوشلسٹ کہنے میں فخر محسوس کریں۔ خاص طور سے ان دو حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے روسی عالموں نے اسلامی علوم کے اپنے مطالعے کو جاری رکھا اور ان کی کتابیں حکومت کی طرف سے شائع کی جانے لگیں۔ سمرنوف نے اپنی کتاب کے چوتھے باب میں ۱۹۱۸ء سے لے کر ۱۹۲۴ء تک کے اُن کاموں کا جائزہ لیا ہے جو اسلامی علوم سے متعلق ہیں درج ذیل سطور میں انھی معلومات کو اجمالاً لکھا جا رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نئی روسی حکومت نے ۲۴ نومبر ۱۹۱۷ کو ایک اعلانیہ جاری کیا جس کا تخاطب اُن مسلم عوام سے تھا "جن کی مسجدیں اور زیارت گاہیں زاری حکومت کے کارپردازوں نے ڈھادی تھیں، جن کے عقاید اور تہذیب و تمدن کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا تھا" اس اعلانیہ میں ان عوام سے کہا گیا تھا کہ وہ اپنے عقاید، رسم ورواج پر نہ صرف قایم رہیں بلکہ اپنے تمام تمدنی اور قومی اداروں کو برقرار رکھیں حکومت کے اس اعلان کے باوجود مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے میں یہ احساس باقی رہا کہ روسی حکومت ان کے عقاید قومی و تہذیبی تشخص اور تمدنی ورثے کو مٹا دینے کے درپے ہے یہی وجہ ہے کہ جب نئی حکومت کے خلاف "انقلاب مخالف قوتوں" نے سر اٹھایا تو مسلمان عوام بھی اس میں شریک ہو گئے جس کا سلسلہ ۱۹۳۰ء تک چلتا رہا ایک طرف تو عوام کی یہ روش تھی دوسری طرف مسلمانوں کے جذبات کو مطمئن کرنے کے لیے نئی حکومت نے مذہبی بورڈ بنانے شروع کیے اور ان کو مالی امداد بھی دی جانے لگی۔ انقلاب کے کچھ ہی عرصے کے بعد پٹیر وگراڈ میں منعقد مسلم کانگریس نے نئی حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ حضرت عثمانؓ کا وہ مکتوبہ قرآن پاک کا نسخہ، جس کو زار روس کے کارندوں نے سمرقند کی ایک مسجد سے زبردستی چھین کر ریاستی عوامی کتب خانہ کی زینت بنایا تھا، مسلمانوں کو واپس کیا جائے۔ حکومت وقت نے مسلمانوں کے اس مطالبے کو تسلیم کرتے ہوئے قرآن پاک کا مذکورہ نسخہ مسلمانوں کی تحویل میں دے دیا۔

ہر نئی حکومت کی طرح روس کی سوشلسٹ حکومت کو بھی اندرونی اور بیرونی مسائل کا سامنا کرنا پڑا اس لیے قبل اس کے کہ عہد زیر بحث کی اسلامی علوم سے متعلق مطبوعات پر روشنی ڈالی جائے اُس عہد کی سیاسی صورت حال اور مذہب کے سلسلے میں کمیونسٹ پارٹی کے رویے پر ایک سرسری نظر ڈال لینی ضروری ہے تاکہ عہد زیر بحث کی مطبوعات کی معنویت اور پس منظر واضح ہو سکے اور یہ سمجھنے میں آسانی ہو کہ یہ کتابیں کس جذبے کے تحت لکھی گئی ہیں۔

۱۹۲۰ء میں لینن نے اسلام کے بارے میں کمیونسٹ پارٹی کے لائحۂ عمل کو واضح کرتے ہوئے ان تین نکات پر زور دیا۔ (ا) غیر ترقی یافتہ ملکوں میں کمیونسٹ پارٹی "بورژوائی۔ جمہوری تحریکوں" کی حمایت کرے گی۔ (ب) مذہبی اور دیگر رجعت پسندانہ قوتوں اور عہد وسطائی عناصر کے خلاف کمیونسٹ پارٹی جنگ کرے گی جو امریکی اور یورپی شہنشاہیت کے خلاف اپنے تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے مسلمانوں میں چل رہی ہیں اور درپردہ وہ خوانین، زمین داروں اور مُلّاؤں کو طاقت و قوت بہم پہنچا رہی ہیں۔ کمیونسٹ پارٹی کے ان مقاصد کو متعین کرنے کے باوجود لینن اور اسٹالن نے اس بات پر زور دیا کہ کھیتی باڑی کرنے والے مسلمانوں کے اُن عقاید پر حملہ کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے کہ ان کے احساسات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجذبات نہ بھڑکنے پائیں اور ان پر جلد بازی کے ساتھ حملہ نہ کیا جائے بلکہ سست رفتاری کے ساتھ اس عمل کو جاری رکھا جائے۔

اس سلسلۂ سخن کو برقرار رکھتے ہوئے سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار نے شریعت اسلامیہ کے بارے میں اسٹالن کے خیالات کا حوالہ دیا ہے اُس زمانے میں اسٹالن نے کہا تھا "حکومت ایک رواجی قانون" کی حیثیت سے شریعت اسلامیہ کا اتنا ہی احترام کرتی ہے جتنا وہ روس میں بسنے والی کسی اور قوم کے "رواجی قانون" کا احترام ملحوظ رکھتی ہے"۔ ۱۹۲۱ء میں کیمونسٹ پارٹی کے ایک اہم رکن ایس۔ ایم۔ کیروف (S. M. KIROV) نے اس سلسلے میں اپنے جن خیالات کا اظہار کیا تھا اس کا یہ حصہ سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار نے اپنے تبصرہ میں نقل کیا ہے۔

"سوویتی حکومت کسی بھی حال میں کسی کے ذاتی عقیدے سے سروکار نہیں رکھتی۔ ہر شخص جس چیز کو چاہے اُس کی پرستش کرے، جو عقیدہ چاہے اختیار کرے اور جس بات پر چاہے یقین کرے، لیکن جہاں تک شریعت اسلامیہ کا سوال ہے یہ مذہبی نوعیت کی حامل ہونے کے علاوہ کچھ اور بھی ہے کیونکہ اس میں عمومی تسلط کا جذبہ بھی ملتا ہے"[1]۔

اس موقع پر تبصرہ نگار نے یہ بھی یاد دلایا ہے کہ جب کوستانی جمہوریہ کے مسلمان زعماء کا ایک وفد کیروف سے ملا تھا اور اس نے مطالبہ کیا تھا کہ شریعت اسلامیہ کو مکمل اور کامل طور سے محفوظ رکھنے کی اجازت دی جائے تو کیروف نے اُس وفد کے ارکان سے کہا تھا کہ سوویتی حکومت کا کام یہ تھا کہ وہ بلا لحاظ قبیلہ، زبان اور نسل، سوویتی طرز کی زندگی عالم وجود میں لائے۔ اگر سوویتی حکومت کے خلاف شریعت کا سہارا لے کر کوئی احتجاج کیا جاتا ہے تو "ہم ہمیشہ اُس سے جنگ کریں گے اور ہر سوویت مخالف طبقے کو تتر بتر کر دیں گے"۔ اسی کیمونسٹ پارٹی کی کانگریس میں کیروف نے کہا تھا "ہماری پارٹی کا کبھی بھی کسی نوع کا یہ مقصد نہیں رہا ہے کہ ہم تمہاری شریعت کو اپنے قبضے میں کر لیں۔ یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ سے کیمونسٹ پارٹی کا کوئی بھی تعلق نہیں ہے"۔ کیروف کے یہ بیانات اُس زمانے کی یادگار ہیں جب انقلاب روس کے

---

[1] جو عبارتیں روسی زبان سے انگریزی میں ترجمہ ہوئی ہیں ان کو اردو میں منتقل کرتے وقت ممکن ہے کہ نشستِ الفاظ میں کچھ تبدیلی ہوگئی ہو مگر ان عبارتوں کا مفہوم انگریزی عبارتوں کے مفہوم کے عین مطابق ہے۔ (ک۔ ا۔ ج)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد روس کے رہنے والے ایک نوع کی خانہ جنگی سے دوچار تھے۔ ان بیانات نے ایک طرف تو وسط ایشیائی مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقے کو نئی حکومت کا ہم نوا بنایا دوسری طرف یہ بیانات اس بات کو بھی واضح کرتے ہیں کہ اُس زمانے میں مرکزی کمیونسٹ پارٹی میں مذہب اور شریعت اسلامیہ کے سلسلے میں کتنا اختلاف رائے تھا۔ ان بیانات سے اس بات کی بھی ایک جھلک ملتی ہے کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو "انقلابی اقدام" کی مدافعت میں ڈٹا ہوا تھا۔

روس کی مرکزی کمیونسٹ پارٹی نے جب اس خانہ جنگی پر قابو پالیا اور اپنے اقتدار کا سکہ تمام جمہوریتوں پر جمالیا تو کمیونسٹ پارٹی کی بارہویں کانگریس منعقدہ ۱۹۲۳ء سے مذہب مخالف پروپیگنڈہ بالاعلان شروع کیا گیا اسی کانگریس میں ایک تجویز یہ بھی منظور کی گئی کہ مذہب مخالف تحریک چلائی جائے اور مذہب کے خلاف پروپیگنڈا کر کے رائے عامہ کو ہموار کیا جائے۔ کمیونسٹ پارٹی کی تیرہویں کانگریس میں بھی تقریباً اسی بات کا اعادہ کیا گیا مگر اسی کانگریس میں ایک اور تجویز منظور ہوئی جس کا مفہوم یہ ہے

"یہ بات ضروری ہے کہ انتظامیہ کی طرف سے مذہب کے خلاف بنرد آزمائی اور اس کے پروپیگنڈے کو قطعی طور پر ترک کر دیا جائے اس میں یہ جزو بھی شامل ہے کہ کلیساؤں، مسجدوں، یہود کی عبادت گاہوں اور زیارت گاہوں کو بند نہ کیا جائے۔ دیہی علاقوں میں جو مذہب مخالف پروپیگنڈا کیا جائے وہ صرف سماجی اور فطری مظاہر کی مادی توضیحات پر مشتمل ہو اور خاص طور سے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ خدا کے ماننے والوں کے مذہبی جذبات کو کوئی ٹھیس نہ پہونچے۔ ان مذہبی جذبات پر برسوں کی کاوش اور منصوبہ بند طریقے سے روشن خیالی پھیلانے سے قابو پایا جا سکتا ہے۔ یہ احتیاط مشرقی سوویت جمہوریتوں میں خاص طور سے کرنی چاہیئے۔"

نئی انقلابی حکومت نے اِس منصوبہ بند اور پُر احتیاط طریقے سے مذہب مخالف پروپیگنڈا شروع کیا کچھ مدت تک تو وسط ایشیائی عوام مذہب مخالف پروپیگنڈے کی اصل روح کو سمجھتے رہے اور اس کے خلاف اپنے ردّ عمل کا اظہار بھی کرتے رہے مگر دھیرے دھیرے یہ سیلاب بلا ان کو بہالے گیا اور ملحدانہ تحریک ایک عوامی تحریک بن کر پیشِ منظر پر آگئی۔ اس سیاسی پس منظر کو پیش کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ عہد زیر بحث کی تصانیف کی زیریں لہروں تک ہماری نگاہ پہونچ جائے اور ہم ان کتابوں کی اصل روح سے واقف ہو سکیں۔

عہد زیر بحث کی ابتدا میں اسلامی علوم سے متعلق کتابوں اور کتابچوں کی اشاعت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ ساتھ رسالوں کی اشاعت پر بھی زور دیا گیا۔ اس سلسلے میں "قوموں کی زندگی" نامی اخبار کا ذکر خاص طور سے ضروری ہے۔ ۱۹۱۸ء میں یہ اخبار ایک روزنامہ کی حیثیت سے نکلنا شروع ہوا۔ ۱۹۲۲ء سے اس کو ہفت روزہ اخبار کی حیثیت سے شائع کیا جانے لگا پھر ایک سال بعد ۱۹۲۳ء میں اس کو ماہنامہ کر دیا گیا۔ اپنی ان تینوں شکلوں میں اس نے اسلام اور اسلامی علوم و فنون پر بہت سے مقالے شائع کیے جن میں سے چند اہم مقالوں کے عنوانات یہ ہیں۔ قرآن اور انقلاب، غریب مسلمان اور سرخ فوج، بابیت اور بہائیت۔ انقلاب روس سے پہلے، روس میں اسلامی علوم و فنون پر جو کام ہوا تھا اس میں بابیت اور بہائیت کے مطالعے کو ایک اہم جگہ حاصل تھی اور ان فرقوں کے افکار و خیالات کو اسلامی افکار و خیالات قرار دے کر ان کا ایک طرح سے ہمدردانہ مطالعہ کیا گیا تھا۔ روسی عالموں کی یہ روش انقلاب روس کے بعد بھی برقرار رہی اور وقتاً فوقتاً وہاں کے اصحاب علم بابیت اور بہائیت کا مطالعہ پیش کرتے رہے۔ روسی عالموں کی یہ روش کسی نہ کسی صورت میں آج بھی برقرار ہے۔ اس عہد میں اسلام سے متعلق جو مقالے منظر عام پر آئے ان کی اصل روح یہ ہے کہ اسلام میں "طبقاتی کشمکش" کے وجود کی نہ صرف نشاندہی کی جائے بلکہ اس کو محدب شیشے سے دیکھا اور دکھایا جائے اور اس بات کے ثبوت فراہم کیے جائیں کہ مسلمان مذہبی رہنما ہمیشہ سے عوام مخالف سرگرمیوں میں ملوث رہے ہیں۔ ان مقالوں کے علاوہ عہد زیر بحث کی ایک کتاب خاص طور سے قابل ذکر ہے جو بخارا کی بسمچی تحریک پر لکھی گئی ہے۔ نامناسب نہ ہوگا اگر اس موقع پر یہ بات صاف کر دی جائے کہ یہ تحریک روسی اور وسط ایشیائی کمیونسٹ مصنفوں کے نزدیک لٹیروں اور چوراچکوں کی تحریک تھی۔ سوویتی۔ تاجیکی ادبیات کے بابائے آدم صدرالدین عینی اور ایک دوسرے اہم تاجیکی مصنف الغ زادہ نے بسمچیوں کی انہی الفاظ میں تصویر کشی کی ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ تصویر تعصبات اور تاثرات کی حامل اور یک رخی ہے۔ غالباً بسمچی جماعت اُن مسلمانوں پر مشتمل تھی جو وسط ایشیا میں روس کا غلبہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی اور اسی جذبے کے تحت وہ نئے نظام حکومت سے اس وقت تک ٹکراتی رہی جب تک کہ وہ ٹوٹ کر پاش پاش نہیں ہو گئی۔

سلہ جو حضرات انقلاب روس کے بعد کی وسط ایشیائی تحریکوں بالخصوص "جدیدیوں" اور "بسمچیوں" کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہیں وہ میری کتاب "محمد اقبال" مطبوعہ اقبال انسٹی ٹیوٹ۔ کشمیر یونیورسٹی سری نگر کا مقدمہ ملاحظہ فرمائیں۔ (ک۔ ا۔ ت)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی سلسلۂ سخن میں ایک اور رسالہ کا ذکر ناگزیر ہے جو "شرقِ نو" کے نام سے ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۰ء تک شایع ہوتا رہا۔ اس رسالہ کا بنیادی مقصد تو یہ تھا کہ روس کے مشرقی حصے میں بسنے والے عوام کی زندگی، سماج، رسم و رواج اور مذہب کے بارے میں سیر حاصل مقالے شایع کرنے شروع کئے جن میں مشرقی ممالک کے لوگوں بالخصوص مسلمانوں کے بارے میں مفید معلومات بہم پہونچائی جاتیں۔ اس رسالہ میں شائع ہونے والے مقالے عام طور سے اعداد و شمار سے مزین اور حقایق پر مبنی ہوتے۔ رسالہ کی یہ روش نئے نظام کے کارپردازوں کو بہت دنوں تک پسند نہ آسکی۔ ان کا خیال یہ تھا کہ یہ رسالہ "مطلوبہ سیاسی سطح (کمیونزم) کو چھونے میں ناکام ہے" غالباً اسی لیے ۱۹۳۰ء میں جبکہ بسمچیوں کی آخری ٹکڑی بھی نیست و نابود کر دی گئی تھی، اس رسالہ کی اشاعت بند کر دی گئی۔ اس رسالے میں جو اہم مضامین شایع ہوئے تھے ان کی تعداد تو کثیر رہی ہوگی مگر ہم کو ان میں سے چند ہی کے موضوعات کا علم ہو سکا ہے۔ ایک مقالہ ایشیائے کوچک کے قزلباشوں کی مذہبی تحریک پر شائع ہوا تھا، دوسرا سید احمد شہید رائے بریلوی کی جماعت مجاہدین پر اور تیسرا اُن مسلمانوں کے تصورِ اخوت پر جو ایمان کی راہ میں نبرد آزما تھے۔

عہد زیر بحث میں جن مستشرقین نے اسلام اور اسلامی علوم و فنون پر علمی اور تحقیقی کام کئے اُن میں بارتھولڈ اور کراچکوفسکی (KRACKOVSKII) کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان مصنفین کی علمی تصانیف میں بارتھولڈ کی تصانیف، موضوع پر گرفت اور اعلیٰ تحقیقی معیار کی وجہ سے اول درجہ کی قدر و قیمت کی حامل ہیں۔ یوں تو بارتھولڈ کا تعلق مستشرقین کے قدیم دبستان فکر سے تھا مگر انقلاب روس کے بعد وہ پہلا مستشرق ہے جس نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ اسلام کے بارے میں درست اور صحیح معلومات اُن روسی عوام کو فراہم کرنی چاہییں جن کی تعداد کروڑوں سے متجاوز ہے اور جو اسلام کے بارے میں بہت کم اور غلط معلومات رکھتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نے اپنی تصانیف میں اس بات کی بھی کوشش کی ہے کہ وہ استخراج نتائج میں کسی نسلی، مذہبی یا لسانی تعصب کا شکار نہ ہو اور علمی انداز سے اپنی تحقیقات کے نتائج سے لوگوں کو روشناس کرائے۔ اس سلسلے میں اس نے بہت سے وقیع علمی کام کیے ہیں۔ ان میں اس کی وہ کتاب سب سے زیادہ اہم ہے جس میں اسلام کا ایک عمومی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب انقلابِ روس کے فوراً بعد ۱۹۱۸ء میں شائع ہو کر منظرِ عام پر آئی تھی۔

۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۴ء تک کا نو برس کا عرصہ روسی تاریخ میں اس لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے کہ ان برسوں میں کمیونسٹ پارٹی اپنی سوشلسٹ صنعتی پالیسی پر نظر ثانی اور غور و خوض کرتی رہی۔ اس غور و خوض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے نتیجے میں کمیونسٹ پارٹی نے جو اقدامات کئے اُن میں سب سے اہم اقدام لاکھوں چھوٹے چھوٹے کھیتوں کو اجتماعی کھیتوں (کالخوز) میں تبدیل کرنا تھا اس اقدام کے لیے اُن لوگوں کے عقاید اور ریت رواج پر حملہ کرنا ضروری تھا جو پرانے طریقے سے کاشت کرتے اور اپنے نظریۂ ملکیت کے تحت اپنی ایک انچ زمین بھی کسی دوسرے کے تصرف میں دینے پر آمادہ نہ تھے۔ روس کی کمیونسٹ حکومت کو اپنے زیرنگیں ان مشرقی ریاستوں میں جہاں مسلمانوں کی غالب اکثریت آباد تھی اور جہاں برائے نام ہی سہی اسلامی نظام ملکیت رائج تھا اپنے اس اقدام کے لیے سخت جدوجہد کرنی پڑی اور اس سلسلے میں حکومت نے اقدار کی شکست وریخت سے بھی دریغ نہ کیا۔ اپنے اس اقدام کے لیے روس کی کمیونسٹ حکومت کو اُن ایشانوں، درویشوں اور پیروں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا جو عوام کے روحانی رہنما تھے۔ ان مذہبی رہنماؤں کا زور کم کرنے کے لیے بالخصوص عورتوں کو اُن کی تقلید سے باز رکھنے کے لیے ایک پروپیگنڈا مہم شروع کی گئی جس کا ایک کام یہ بھی تھا کہ بڑی تعداد میں اسلام مخالف مقالے، کتابچے اور کتابیں شائع کر کے مشرقی جمہوریتوں کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں پھیلا دے۔ نشرواشاعت کے سلسلے کو منظم اور فعال بنانے کے لیے روس کی راجدھانی، ماسکو کو منتخب کیا گیا اور وہاں دو ایسے اشاعتی ادارے قائم کیے گئے جن کا مقصد صرف اسلام مخالف کتابیں شائع کرنا اور ان کو روس کی مشرقی جمہوریتوں میں پھیلانا تھا لیکن چونکہ ان پروپیگنڈا مقالوں، کتابچوں اور کتابوں کے مصنفین بس واجبی سے پڑھے لوگ تھے اس لیے اس دور میں جو بھی کتابیں منظر عام پر آئیں وہ علمی لحاظ سے کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں ہیں۔

اس دور کے مصنفین میں یاروس لافسکی (YAROLAVSKII) کا نام سر فہرست ہے جس نے ماورائے قفقاز اور ماوراءالنہر کے عوام کے لیے اسلام مخالف کتابیں لکھیں۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر اسلام مخالف تحریروں کے ذریعے مذکورہ بالا دونوں خطوں کے عوام کو اسلام سے برگشتہ کر دیا جاتا ہے تو بقیہ دوسری مشرقی ریاستوں کے عوام کو اسلام سے بدظن کر دینا چنداں مشکل نہ ہوگا۔ یہ وہ عہد ہے جب روس کی مشرقی ریاستوں میں "انقلاب مخالف" تحریکیں زور شور سے چل رہی تھیں اور ان تحریکوں کی زمام عام طور سے مذہبی طبقہ کے افراد کے ہاتھوں میں تھی۔ ان تحریکوں پر یہ الزام لگایا جاتا کہ ان کے پس پشت برطانیہ، فرانس اور دیگر سامراجی قوتوں کا ہاتھ ہے اور یہ تحریکیں سامراجی قوتوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلیوں کی طرح ناچتی رہتی ہیں۔ ۱۹۳۱ء میں روسی آذربائیجان میں بھی اسی طرح کی ایک تحریک ابھری تھی جس کی زمام "ملاؤں" کے ہاتھ میں تھی۔ اس تحریک پر روسیوں کی طرف سے یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ اُس سے وابستہ "ملا" عوام میں یہ افواہ پھیلاتے ہیں کہ فلاں یا فلاں مقام پر ایک صوفی منش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخص آئے ہیں جو عوام کو "انقلاب مخالف" تحریک میں حصہ لینے کی دعوت دیتے ہیں۔ ان تمام تحریکوں پر تبصرہ کرتے ہوئے یاروسلافسکی نے عجیب تمسخرانہ انداز سے یہاں تک کہہ دیا تھا "خدا کی کوئی عبادت، کوئی بھی ناموجود خدا، مشرقی روس کے کروڑوں عوام کو سوشلزم کے راستے پر چلنے سے نہیں روک سکتا" وقتی طور پر سہی یاروسلافسکی کا یہ دعویٰ درست ثابت ہوا۔ ہر "انقلاب مخالف" تحریک بے دردی کے ساتھ کچل دی گئی اور مشرقی روس کے سارے کے سارے مسلمان سوشلزم کی راہ پر برضا و رغبت گامزن ہو گئے اور "ملّاؤں" کی ساری تدبیریں ناکام ہو کر رہ گئیں۔

اس دور میں مسلمانوں کے خلاف جتنے مقالے، کتابچے اور کتابیں منظر عام پر آئیں نہ جانے کیوں ان کی زبان نہ تاجیکی تھی نہ ازبکی، نہ کرغیزی تھی نہ آذری، نہ تاتاری تھی نہ ترکمانی بلکہ یہ ساری کی ساری کتابیں روسی زبان میں لکھی اور شائع کی جاتیں۔ اس زمانے کا ایک رسالہ جس کا اصل نام فن۔ ایم۔ ڈِن (سائنس اور مذہب) تھا وہ واحد رسالہ ہے جو تاتاری زبان میں ۱۹۲۵ء سے شائع ہونا شروع ہوا تھا۔ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۲۹ء تک کے تین برسوں میں روسی زبان میں جو مقالات خاص اس مقصد کے لیے شائع کئے گئے تھے ان کے چند موضوعات یہ تھے "تاتاری جمہوریہ میں مذہبی تحریک" "بشکیریہ میں ملحدانہ پروپگنڈا" "مشرقی روس میں مذہب مخالف پروپگنڈا" ان موضوعات ہی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عہد زیر بحث میں روسی مصنفین کن کن راستوں سے اسلام پر پے درپے حملے کر رہے تھے۔ ایک دوسرا رسالہ رُری دو لوٹ سیائے گورلِٹس (انقلاب اور کوہستانی لوگ) بھی خاص طور سے قابلِ ذکر ہے جو ۱۹۲۹ء سے نکلنا شروع ہوا تھا یہ رسالہ بھی اپنے اسلام مخالف مضامین کی وجہ سے وقعت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا اور ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا۔

معاندانہ نقطۂ نظر سے اسلام کا مطالعہ کرنے والوں اور کثیر تعداد میں کتابیں لکھنے والوں میں ایل۔ کلیموو چ (L. KLIMOVICH) کا نام روسیوں کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے اس کی سب سے مشہور کتاب "سوشلزم کی مشرق میں توجیہ اور مذہب" (SOCIALIST CONSTRUCTION IN THE EAST & RELIGION) ہے جو ۱۹۲۹ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی تھی۔ اس کتاب کے بارے میں سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار کا کہنا ہے کہ اگرچہ اس کتاب میں بہت سی غلطیاں ہیں مگر پھر بھی یہ کتاب اتنی اہم اور عالمانہ ہے کہ کوئی بھی روسی جو اسلام کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے اس کتاب سے صرفِ نظر نہیں کر سکتا۔ اسی مصنف کی دوسری کتاب "مضامین قرآن" (THE CONTENTS OF THE KURAN) بھی خاصی اہمیت کی حامل ہے جو مذکورہ بالا کتاب سے ایک سال قبل یعنی ۱۹۲۸ء میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کو کلیمو وچ نے اس مقصد کے تحت لکھا تھا کہ وہ بزعم خود "قرآن کے تضادات" کو منظر عام پر لائے اور اس بات کی نشاندہی کرے کہ قرآن استحصال کرنے والوں کے لیے لکھا گیا تھا اور اس کے ذریعہ ان لوگوں کا استحصال کیا جاتا جو مطیع، فرمانبردار اور عقیدۂ آخرت کے حامل تھے۔ اپنی بہت سی خامیوں کی وجہ سے اس کتاب کا شمار گمراہ کن کتابوں میں کیا جانا چاہیے جس کی بنیاد تحقیق پر نہیں بلکہ مفروضات پر رکھی گئی ہے۔

اسی سلسلے میں خودا ین۔ اے۔ سمرنوف کی ایک کتاب "اسلام اور جدید مشرق" (ISLAM AND MODERN EAST) کا ذکر ضروری ہے جو ۱۹۲۸ء میں کلیمو وچ کی کتاب کے ساتھ ساتھ منظر عام پر آئی تھی۔ اس یک جلدی کتاب میں اسلام کے تمام بنیادی عقائد، اس کا سیاسی کردار، مسلمان مذہبی رہنماؤں کی منظم جماعت اور روزمرہ کی انسانی زندگی میں اسلام جو کردار ادا کرتا ہے، ان سب کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اسی کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں ان تحریکوں سے بھی بحث کی گئی ہے جو اپنے وطن کو آزاد کرانے کے لیے معرض وجود میں آئی تھیں اس سلسلے میں سمرنوف نے ایران، ترکی، ہندوستان اور مصر کی بعض تحریکات کا شرح وبسط کے ساتھ جائزہ لے کر استخراج نتائج کی کوشش کی ہے یہ کتاب عام فہم انداز میں لکھی گئی تھی اسی لیے عام روسیوں میں بہت دنوں مقبول رہی۔

درج بالا موضوعات کے علاوہ اس عہد میں روسی مصنفین نے مسلمانوں کے رسم ورواج اور مذہبی تیوہاروں کو بھی اپنے مخصوص مطالعے کا موضوع قرار دیا اور اُن کو ان کے سماجی، معاشی اور سیاسی تناظر میں سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی اس سلسلے میں صرف کتابیں اور کتابچے ہی منظر عام پر نہیں آئے بلکہ خاصی بڑی تعداد میں مقالے بھی لکھے گئے۔ ان مقالوں میں کلیمو وچ کا وہ مقالہ بھی شامل ہے جو ۱۹۳۰ء میں "حج۔ اسلام کا خونخوار بھوت" (HAJJ, THE VAMPIRE OF ISLAM) کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اس مقالے کے عنوان ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مقالہ نگار نے حج کے فلسفہ سے کس حد تک انصاف کیا ہوگا اور اُس کی اصل روح کو کس حد تک سمجھ سکا ہوگا؟ اسی طرح کا دوسرا مقالہ وی۔ شوخورنے "رمضان کا مقدس مہینہ" کے عنوان سے اسی سال شائع کروایا تھا۔ اس مقالے کے عنوان سے تو کوئی قابلِ اعتراض بات ظاہر نہیں ہوتی لیکن اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس لحاظ سے قابل اعتراض ہے کہ مقالہ نگار نہ تو روزہ کی حکمت کو سمجھ سکا ہے اور نہ ہی اس کی اصل روح تک رسائی حاصل کر سکا ہے۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں ایس۔ ترخانوف کا مقالہ "مسلمانوں کے تیوہار" شایع ہوا۔ یہ مقالہ بھی اسی نہج پر اور اسی جذبہ کے ساتھ لکھا گیا ہے جس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف اوپر کی سطور میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اسی سال ایل کلیمووچ کا ایک دوسرا مقالہ "عید الاضحی کی قربانی پر شائع ہوا، اس مقالے میں بھی مصنف نے اسلامی خیالات کی ترجمانی کرنے کے بجائے اپنے مفروضات کو مسلمہ حقیقت مانتے ہوئے قربانی کی جو تصویر پیش کی ہے اس سے کوئی ایماندار غیر مسلم بھی متفق نہیں ہو سکتا۔ ان مقالوں کی اصل روح یہ تھی کہ مسلمانوں کے مذہبی عقائد کی پے در پے غلط ترجمانی کر کے خود مسلمانوں کو یہ باور کرنے پر مجبور کر دیا جائے کہ وہ اپنے عقاید کے بارے میں جو خیال رکھتے ہیں وہ غلط ہے ان کے عقاید کی اصل اور صحیح توجیہ و تعبیر تو یہ روسی مصنفین کر رہے ہیں جو حج، روزہ اور قربانی جیسے موضوعات پر "محققانہ" مقالے پے در پے شائع کر رہے ہیں شروع شروع میں تو عام مسلمانوں پر اس طرح کی تحریروں کا کوئی خاص اثر نہ پڑا لیکن دھیرے دھیرے روسی مصنفین اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور روسی مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ان کی ہم نوا ہو گئی جو لوگ ان خیالات کے ہم نوا نہ ہو سکے انھوں نے مصلحتاً خاموشی اختیار کر لی کیونکہ ایک خاموشی سیکڑوں بلاؤں کو ٹالتی ہے۔

اس دور میں مسلم خواتین کو اسلام سے برگشتہ کرنے کا کام بڑے منظم اور سائنسی انداز سے شروع کیا گیا۔ دوسرے غیر مسلم مصنفین نے اس بات کو بار بار دہرایا ہے کہ مسلم خواتین کی "پستی" زبوں حالی اور کسمپرسی" کی اصل وجہ ان کا تصور حجاب و ناموس ہے۔ روسی مصنفین نے اس بات پر زور دیا کہ جب تک مسلم خواتین اپنے ان تصورات کو نہ بدلیں گی مردوں کے ہاتھوں "ظلم و ستم" کا نشانہ بنتی رہیں گی ۱۹۲۹ء میں خود این۔ اے۔ سمرنوف نے "پردہ" پر ایک کتاب لکھ کر شائع کی تھی جس میں اس نے مسلم خواتین میں پردہ رواج کی تاریخ اور اس کے خلاف وقتاً فوقتاً جو جدوجہد ہوئی تھی اس کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کا سب سے "دلچسپ" باب وہ ہے جس میں سمرنوف نے ازبکستان اور روسی آذربائیجان کی مرکزی کمیونسٹ پارٹی کے جلسوں میں ہوئی اُن تقریروں کو جمع کر دیا ہے جن میں کمیونسٹ پارٹی کے کارکنوں سے اس بات کی اپیل کی گئی ہے کہ وہ مسلم خواتین کو پردہ کی قید و بند سے آزاد کرائیں۔ اسی طرح مسلم خواتین میں "ناموس" کا جو تصور تھا اس کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہوئے اس پر بھی پیاپے حملے کیے گئے۔ اس سلسلے میں ہم کو جس کتاب کا علم ہو سکا ہے وہ کسی روسی مصنف کی تحریر کردہ نہیں بلکہ ایک آذربائیجانی مصنف ایس۔ آغاملی اوغلو کی تحریر کردہ ہے جو ناموس کے نام سے ۱۹۲۹ء میں باکو سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں آغاملی اوغلو نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ اگر مسلم خواتین کو معاشی خود مختاری مل جائے تو قدیم و فرسودہ تصور ناموس خود بخود اپنی موت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ مر جائے گا۔ اس سلسلے میں اس نے یہ بھی تجویز پیش کی ہے کہ باقاعدہ قانون بنا کر خواتین کو مردوں کے برابر درجہ دے دیا جائے تاکہ ان کا دقیانوسی تصور ناموس رفتہ رفتہ فنا کے گھاٹ اتر جائے۔

روسی مصنفین ایک طرف تو ان موضوعات پر اظہار خیال کر رہے تھے اور دوسری طرف وہ مسلمانوں کے بعض اُن فرقوں کا بھی خصوصی مطالعہ کر رہے تھے جن کو خود مسلمان دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں، روسی مصنفین کی کوشش یہ تھی کہ وہ اِن فرقوں کو اسلام ہی کی ایک شاخ قرار دے کر ان کے مطالعے کے ذریعہ اسلام کی شکل مسخ کر کے رکھ دیں اس سلسلے میں انھوں نے بہائیت کی تشریح وتعبیر پر خاص طور سے زور دیا۔ ۱۹۳۰ء میں اے۔ایم۔ ارشرونی (A.M.ARSHARUNI) نے بہائیت کے بعض نظریات کی نشاندھی کرتے ہوئے اِس "مذہب" کو اتنا ہی انقلابی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، جتنا کہ اس کے نزدیک سوشلزم ہے۔ اِسی طرح بہائیت پر آئی۔ داروف (I.DAROV) نے بھی ایک کتاب "بہائیت، مشرق کا جدید مذہب" کے نام سے اُسی زمانے میں شایع کروائی اس کتاب میں عبدالبہا کے خطوط کا شرح وبسط کے ساتھ مطالعہ کیا گیا ہے اور اِن خطوط کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ بہائیت اور سوشلزم کے مابین بعض ایسے فرق اور اختلافات ہیں جو سرمایہ داری اور سوشلزم کے درمیان ہیں۔ اسی سال "وہابیت"[1] کو بھی ایک روسی مصنف ایم۔ تومر (M.TOMAR) نے اپنے مطالعے کا موضوع قرار دیا اور "وہابیت کے مآخذ" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھ کر شائع کروایا جس میں ایک طرف تو وہابیت کو "غیر صحیفی اور تحریف شدہ" رسوم کی تنسیخ کا طالب قرار دیا گیا تھا اور دوسری طرف اس مطالبہ کی ذمہ داری نجد اور خود عبدالوہاب کی معاشی حالت پر ڈالی گئی تھی۔ بہ الفاظ دگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اُس زمانے کے نجد کی معاشی حالت بہتر ہوتی اور خود عبدالوہاب بھی معاشی لحاظ سے آسودہ ہوتے تو وہابی تحریک کے یہ خدوخال نہ ہوتے جن خدوخال میں وہ نمایاں ہوئی تھی۔

اُس زمانے کے مسلمانوں میں "خلافت" کا جو تصور تھا، روسی مصنفین نے اس کو بھی اپنے اظہار خیال کا موضوع بنایا اسی سلسلے میں پی۔ گیڈل یانوف (P GIDULYANOV) کا مقالہ "خلافت — مذہب اور ریاست کے مابین رشتہ کا ایک انوکھا نظام" خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ اس

---

[1] جن افراد کو "وہابی" کہا جاتا ہے ان کو جمہور علماء نے کبھی بھی دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا ہے۔ (ک۔ا۔ج)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقالے کے بارے میں سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار نے یہ اطلاع فراہم کی ہے کہ یہ مقالہ بارتھولڈ کے ایک مقالے سے ماخوذ ہے جو اُس نے ۱۹۱۶ء میں سلیم اول کے خلیفہ کا لقب اختیار کرنے کے سلسلے میں تحریر کیا تھا اس سلسلے کی ایک دلچسپ حقیقت یہ بھی ہے کہ خود بارتھولڈ نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ مذکورہ مقالہ اُس کے مقالے سے ماخوذ ہے۔ بہرحال گیدل یانوف نے اپنے مذکورہ مقالہ میں اس بات کی نشاندہی کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں میں خلافت اللہ فی الارض کا جو تصور ہے وہ بازنطینی تصور ریاست سے ماخوذ و متاثر ہے۔ اس مقالہ میں مقالہ نگار نے خاص طور سے اس بات کا انکار کیا ہے کہ "جوان ترکوں" (YOUNG TURKS) نے ۱۹۰۸ء میں سلطان کی دینی وقعت و منصب کا انکار کیا تھا۔ اسی مقالہ میں اُس نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ ترکی حکومت اور مذہبی رہنماؤں کے مابین رشتہ پر جو نظرثانی کی گئی تھی وہ اسی نوع کی روسی اصلاح سے متاثر و ماخوذ ہے۔ اگرچہ مقالہ نگار نے اس سلسلے میں منطق کے سارے کبریٰ اور صغریٰ ایک کر کے رکھ دیئے ہیں مگر اہلِ علم کے نزدیک اس کی ساری عقلی درزشیں ساقط الاعتبار اور اس کا دعویٰ ناقابلِ یقین ہے۔

روسی نظام ملکیت کے تصور کو درست اور وقت کے تقاضوں کے مطابق ثابت کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اسلامی نظام ملکیت کے تصور کا نام نہاد علمی جائزہ لے کر یہ ثابت کیا جائے کہ ملکیت کے بارے میں روس میں جو نظام فکر رائج ہے وہی صحیح ہے اور مملکت روس میں بسنے والے مسلمانوں کو بھی اس نظام فکر سے استفادہ کرتے ہوئے ملکیت کے سلسلے میں اپنے نقطۂ نظر کو بدل دینا چاہیے اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے ایم۔ تومر نے "اسلام اور ملکیتِ زمین" کے عنوان سے ۱۹۳۰ء میں اپنا مقالہ شائع کیا جس کا مرکزی تصور یہ تھا کہ اسلام میں ملکیت زمین کا جو تصور رائج ہے اس کا اصل و حقیقی ماخذ قرآن نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے وہ فیصلے ہیں جو یہ حضرات وقتاً فوقتاً صادر فرماتے رہے ہیں۔ اس مقالے میں ایم۔ تومر نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ساتویں صدی عیسوی کے عرب میں "ذاتی ملکیت" کا نظام رائج تھا۔ اس سے مقالہ نگار نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اسلام نے اس بات کی توثیق کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گرد مجتمع اصحاب اقتدار کے حق میں زمین کو "قومیا" (NATIONALISE) لیا جائے۔ ایم۔ تومر نے اپنے مقالے کے خاتمہ پر یہ بھی لکھا ہے کہ ملکیت زمین کے سلسلے میں اسلام جس نظام کو سب سے زیادہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے وہ نظام وقف ہے۔

۱۹۳۰ء میں شائع ہونے والے مقالوں میں ایک اور اہم مقالہ الیس۔ ایم۔ ابرمزون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(S.M. ABRAMZON) کا تحریر کردہ ہے جس کا عنوان " ماناپ اور مذہب " ہے۔ اس مقالے کی شان نزول یہ ہے کہ ۱۹۳۰ء کے موسم بہار میں کرغیزیہ کے ایک ضلع چُو (CHU) پر فوجی یلغار کی گئی تھی۔ اس فوجی یلغار کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے اُن لوگوں کے مذہبی تصورات کا جائزہ لینا ضروری سمجھا گیا جن پر حملہ کیا گیا تھا۔ ماناپ (MANAP) کے بارے میں مقالہ نگار نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ کرغیزیہ میں انہی لوگوں نے سب سے پہلے اسلام کو قبول کیا تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد انھوں نے لوگوں کو اپنے حلقۂ اثر اور ماتحتی میں رکھنے کا ذریعہ اسلام ہی کو بنایا۔ بیسویں صدی کے آغاز کا زمانہ آتے آتے تک " ملاؤں " اور ماناپوں میں کامل ہم آہنگی ہو چکی تھی۔ اس مفروضہ کا ثبوت مقالہ نگار نے اس طرح ثابت کیا ہے کہ جب ۱۹۱۶ء میں روس نے ترکی پر حملہ کیا تھا تو مسلمان علماء نے روس کے اس حملے پر صرف احتجاج ہی نہیں کیا تھا بلکہ شورش برپا کردی تھی۔ پھر جب روس میں انقلاب آگیا تو انقلاب روس کے بعد ایک ہی سال کے اندر اندر کرغیزیہ میں مسجدوں کی تعداد قابلِ لحاظ حد تک بڑھ گئی تھی۔ مسجدوں کی تعداد کے بڑھنے کا سرا " پان اسلامی خفیہ مرکزوں " کے قیام سے ملانے کی مضحکہ خیز کوشش کی گئی ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس طرح کی مضحکہ خیز کوششیں ہی اب عالمانہ کوششیں سمجھی جاتی ہیں۔

۱۹۳۰ء میں شایع ہونے والی اہم کتابوں میں سگی دُل لین (SAGIDULLIN) کی کتاب " ویسی (اویسی) تحریک کی تاریخ کا تعارف " خاص طور سے قابلِ ذکر ہے جس کو تاتار کے اکنامکس انسٹی ٹیوٹ (ECONOMIC INSTITUTE) نے شائع کیا تھا۔ یہ کتاب جس تحریک کا مطالعہ پیش کرتی ہے اُس کی بنیاد ۱۸۶۲ء میں بہاء الدین نامی ایک ترکستانی تاجر نے ڈالی تھی اس تحریک سے منسلک افراد اپنا سلسلہ حضرت اویس قرنی سے ملاتے تھے اور خود کو نقش بندی بھی کہتے تھے۔ اس تحریک کے بانی نے اپنا صدر مقام قازان کو بنایا تھا اور خود کو " غازی " کے نام سے موسوم کرتا۔ اس نے قازان میں ایک " ریاستی عبادت خانہ " بھی بنایا تھا۔ سگی دُل لین کے قول کے مطابق اس تحریک کے بہت سے اصول کسانوں کے مفادات کو مدنظر رکھنے والے تھے اور بعض بعض لحاظ سے ٹالسٹائی کی تعلیمات سے خاصے ملتے جلتے بھی تھے۔ بہرحال ان حضرات کے رہنما اصول یہ تھے:

۱۔ گورنمنٹ کی قائم کردہ تاتاری " مسلم اسمبلی "، مسجدوں یا کسی بھی ادارہ کی توثیق نہ کریں۔

۲۔ فوجیوں کی طرح کی نہ تو وردی پہنیں اور نہ اسلحے استعمال کریں۔

۳۔ ٹیکس ادا نہ کریں۔

۴۔ کسی انتظامیہ کی ماتحتی نہ قبول کریں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(POKROVSKII) تسلیم کیا جاتا ہے۔ "معاشی مادیت" کا نظریہ، مارکس اور لینن کے "جدلیاتی مادیت" (DIALECTICAL MATERIALISM) کے نظریہ کے بالکل برعکس ہے۔ ان مقالوں کے علاوہ ایم۔ ایل۔ تومر کا مقالہ "اسلام اور کمیونزم" بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ اس مقالہ میں تومر نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اپنے اپنے "تصور کائنات" کے فرق و اختلاف کی وجہ سے نہیں بلکہ انفرادی نظریات کی وجہ سے اسلام اور کمیونزم ایک دوسرے کے متضاد و متبائن ہیں۔ تومر نے اس مقالے میں ملکیت زمین سے بحث کرتے ہوئے یہ تو درست اطلاع فراہم کی ہے کہ اسلام "ذاتی ملکیت" کی نہ صرف یہ کہ نفی نہیں کرتا بلکہ اس کو درست بھی قرار دیتا ہے لیکن اسی سلسلۂ سخن میں تومر کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ اسلام ہمیشہ سے دیہقانی تصور یا تخیل (PEASANT IDEOLOGY) کا حامل رہا ہے۔ یہ مقالہ اگرچہ اسلام کی صحیح اور درست ترجمانی نہیں کرتا مگر اسلام کو سمجھنے کی ایک نسبتاً سنجیدہ کوشش ضرور معلوم ہوتا ہے۔ مذکورہ کتاب کی اس لحاظ سے بھی اہمیت ہے کہ اس کے مطالعے سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۳۱ء میں روسی عالموں کی اسلام شناسی کی علمی سطح کیا اور کیسی تھی؟

۱۹۳۱ء ہی میں بلیائیف نے ایک اور علمی کام کیا جس کو روس کی اسلام شناسی میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ بلیائیف کی اس کتاب کا نام "اسلام کے مآخذ" ہے جو مختلف مقالات کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کو بلیائیف نے روس کے اُن اسلام شناس طالب علموں کے لیے مرتب کیا ہے جو کوئی دوسری غیر ملکی زبان نہیں جانتے۔ اس نے کوشش کی ہے کہ یہ کتاب مذکورہ افراد کے لیے بنیادی ماخذ کا کام انجام دے۔ اس کتاب کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں بلیائیف نے "بورژوا مصنفین" کے اُن علمی کاموں پر سخت الفاظ میں تنقید نہیں کی ہے جن کا موضوع اسلام اور اسلام شناسی ہے لیکن اُس نے اسلام کو ایک سماجی اور معاشی تحریک قرار دے کر اپنی کتاب کو مضحکہ خیز بنا دیا ہے۔

اسلامی علوم کا جائزہ لینے کے ساتھ ہی ساتھ اس دور میں روسی محققین نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ وہ ظہور اسلام کے اسباب تک رسائی حاصل کریں۔ اس سلسلے میں روسی مصنفین نے بہت سے مقالے اور کتابیں شائع کیں۔ اس موضوع کا مطالعہ کرتے ہوئے روس کے ماہرین اسلام شناسی اور محققین پانچ گروہوں میں تقسیم ہو گئے، ہر گروہ کا نظریہ دوسرے گروہ کے نظریے سے بالکل مختلف تھا۔ مختصر الفاظ میں ان گروہوں کا تعارف درج ذیل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(POKROVSKII) تسلیم کیا جاتا ہے۔ "معاشی مادیت" کا نظریہ، مارکس اور لینن کے "جدلیاتی مادیت" (DIALECTICAL MATERIALISM) کے نظریہ کے بالکل برعکس ہے۔ ان مقالوں کے علاوہ ایم۔ ایل۔ تومر کا مقالہ "اسلام اور کمیونزم" بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ اس مقالہ میں تومر نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اپنے اپنے "تصور کائنات" کے فرق و اختلاف کی وجہ سے نہیں بلکہ انفرادی نظریات کی وجہ سے اسلام اور کمیونزم ایک دوسرے کے متضاد و متبائن ہیں۔ تومر نے اس مقالے میں ملکیت زمین سے بحث کرتے ہوئے یہ تو درست اطلاع فراہم کی ہے کہ اسلام "ذاتی ملکیت" کی نہ صرف یہ کہ نفی نہیں کرتا بلکہ اس کو درست بھی قرار دیتا ہے لیکن اسی سلسلۂ سخن میں تومر کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ اسلام ہمیشہ سے دہقانی تصور یا تخیل (PEASANT IDEOLOGY) کا حامل رہا ہے۔ یہ مقالہ اگرچہ اسلام کی صحیح اور درست ترجمانی نہیں کرتا مگر اسلام کو سمجھنے کی ایک نسبتاً سنجیدہ کوشش ضرور معلوم ہوتا ہے۔ مذکورہ کتاب کی اس لحاظ سے بھی اہمیت ہے کہ اس کے مطالعے سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۳۱ء میں روسی عالموں کی اسلام شناسی کی علمی سطح کیا اور کیسی تھی؟

۱۹۳۱ء ہی میں بلیائیف نے ایک اور علمی کام کیا جس کو روس کی اسلام شناسی میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ بلیائیف کی اس کتاب کا نام "اسلام کے مآخذ" ہے جو مختلف مقالات کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کو بلیائیف نے روس کے اُن اسلام شناس طالب علموں کے لیے مرتب کیا ہے جو کوئی دوسری غیر ملکی زبان نہیں جانتے۔ اس نے کوشش کی ہے کہ یہ کتاب مذکورہ افراد کے لیے بنیادی ماخذ کا کام انجام دے۔ اس کتاب کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں بلیائیف نے "بورژوا مصنفین" کے اُن علمی کاموں پر سخت الفاظ میں تنقید نہیں کی ہے جن کا موضوع اسلام اور اسلام شناسی ہے لیکن اُس نے اسلام کو ایک سماجی اور معاشی تحریک قرار دے کر اپنی کتاب کو مضحکہ خیز بنادیا ہے۔

اسلامی علوم کا جائزہ لینے کے ساتھ ہی ساتھ اس دور میں روسی محققین نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ وہ ظہور اسلام کے اسباب تک رسائی حاصل کریں۔ اس سلسلے میں روسی مصنفین نے بہت سے مقالے اور کتابیں شائع کیں۔ اس موضوع کا مطالعہ کرتے ہوئے روس کے ماہرین اسلام شناسی اور محققین پانچ گروہوں میں تقسیم ہوگئے، ہر گروہ کا نظریہ دوسرے گروہ کے نظریے سے بالکل مختلف تھا۔ مختصر الفاظ میں ان گروہوں کا تعارف درج ذیل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلا گروہ ایم۔اے۔رائزنر (M.A. REISNER)'' ای۔اے۔بلیائیف (E.A.BELYA-YEV) ایل۔آئی۔کلیموو چ (L.I. KLIMOVICH)'' وی۔ٹی۔دِتیاکن (V.T. DITYAKIN) اور این۔بولٹنی کوف (N. BOLOTNIKOV) جیسے عالموں پر مشتمل ہے۔اس گروہ کے نزدیک ظہور اسلام کا سبب یہ تھا کہ" اس ابھرتے ہوئے مذہب کو مکہ اور مدینہ کے تجارت پیشہ بورژوا طبقہ سے محرک طاقت و قوت ملتی تھی"۔

دوسرا گروہ این۔اے۔روزخوف (N.A. ROZKHOV) کے اس نظریہ کو ماننے والوں پر مشتمل تھا کہ" محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تقریباً ایک فوجی[1] انقلاب لائے"۔

تیسرے گروہ کا نظریہ یہ تھا کہ اسلام حجاز کے مفلس و نادار زراعت پیشہ افراد کے درمیان عالم وجود میں آیا۔اس نظریہ کو سب سے پہلے ایم۔ایل۔اے۔تومر نے پیش کیا اور بعد میں بہت سے روسی محققین اس کے ہم خیال ہو گئے۔

چوتھے گروہ کا سرخیل این۔اے۔موروزوف (N.A. MOROZOV) تھا جو ایک چونکا دینے والے مگر بے سر پیر کے نظریے کا بانی مبانی تھا۔اس کا نظریہ یہ ہے کہ صلیبی جنگوں سے قبل اسلام اور یہودیت میں کوئی بھی چیز مابہ الامتیاز نہیں ہے،صلیبی جنگوں کے بعد ہی اسلام ایک آزاد اور خود مختار امتیازی نشان کا حامل بنا۔موروزوف کے نظریہ کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ (نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور خلفائے راشدین کی شخصیتیں حقیقی اور تاریخی نہیں بلکہ افسانوی ہیں۔

پانچواں گروہ ایس۔پی۔ٹولسٹوف (S.P. TOLSTOV) کے نظریے کے حاملین کا تھا۔اس نظریے کے مطابق اسلام ایک سماجی۔مذہبی تحریک تھا جس کا آغاز عرب سماج کے جاگیرداروں کی وجہ سے نہیں بلکہ غلاموں کی وجہ سے ہوا۔

درج بالا نظریات کے حاملین کی جو کتابیں اور مقالے منظر عام پر آئے اُن میں سے چند یہ تھے۔

(۱) رائزنر نے اپنے نظریہ کو ایک مقالہ" قرآنی نظریہ" اور ایک کتاب" مشرقی نظریات" میں شرح وبسط کے ساتھ پیش کیا ہے۔اس کا درج بالا مقالہ ۱۹۲۶ء میں اور کتاب ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی تھی رائزنر کا خیال ہے کہ عرب کے خانہ بدوش قبائل مکہ کی بیرونی تجارت کی توسیع و ترقی کی راہ میں سدّراہ

---

[1] اصل عبارت میں Feudel کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی" جاگیردارانہ" اور" فوجی" دونوں کے ہیں۔ہم نے سیاقِ کلام کو مدنظر رکھتے ہوئے آخرالذکر معنی کو ترجیح دی ہے۔(ک۔ا۔ج)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنے ہوئے تھے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ کو ایک ارفع و اعلیٰ تاجر قرار دے کر اسلام کو متحد کرنے کا ایک عامل (FACTER) فراہم کردیا۔ سمرنوف کا خیال یہ ہے کہ رائسنر کے اس نظریے میں اس حقیقت کو مدنظر نہیں رکھا گیا ہے کہ "قرآن اصلاً حکمراں طبقہ کی مدافعت کرتا ہے" اس مدافعت سے اس کا مدعا یہ ہے کہ وہ طبقاتی کشمکش کی طرف سے پرولتاری طبقہ کی توجہ ہٹا دے" رائسنر کا نظریہ اگرچہ مارکسی نقطۂ نظر کا ترجمان نہیں ہے تاہم روس کے بہت سے اسلام شناس اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

اسی نقطۂ نظر کو بلیائیف نے اپنے ایک مقالہ "ظہورِ اسلام" کی تاریخ میں مکہ کے تجارتی سرمایہ کا کردار" میں پیش کیا ہے۔ بلیائیف کا خیال ہے کہ مکہ کے تاجر اپنے شہر کے نادار افراد کی مدد سے اپنے تجارتی کاروانوں کو منظم کرتے تھے۔ اسی مقالے میں اس نے یہ بھی خیال ظاہر کیا ہے کہ اللہ اور بندوں کے درمیان جو بھی تعلق ہے وہ "تاجرانہ" ہے۔

دتیاکن نے جو رائسنر ہی کے دبستان فکر کا ایک نمائندہ ہے اپنے مقالات میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ "بورژوا مصنفین" اسلام کے بارے میں بنیادی مواد جمع کر گئے ہیں سوویتی مصنفین کا اب صرف یہ کام رہ گیا ہے کہ اُسی مواد کی روشنی میں اسلام کی مارکسی نقطۂ نظر کے مطابق تفسیر و توجیہ کریں۔ "بورژوا مصنفین" کے فراہم کردہ مواد پر تکیہ کرنے کی وجہ سے دتیاکن حدیث جیسے اہم ماخذ سے بھی رجوع نہیں کرپاتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کیتانی (CAETANI) اور بارتھولڈ کی پیش کردہ معلومات ہی کی روشنی میں اسلام کی تعبیر و تشریح کی کوشش کرتا ہے اور انہی لوگوں کی طرح اس بات کا قائل ہے کہ اسلام کی "تخلیق" کرنے والے لوگ شہری باشندے تھے۔ یہ نظریہ پوکروفسکی (POKROVSKII) دبستان فکر کا نظریہ ہے اور بقول سمرنوف اسی نظریہ کی وجہ سے رائسنر مکتب فکر کی تمام تحریریں تباہ و برباد ہو کر رہ گئی ہیں۔

(۲) روزخوف کے جس نظریے کا درج بالا سطور میں ذکر کیا جا چکا ہے وہ اس کی کتاب "روسی تاریخ، تقابلی تاریخ کی روشنی میں" کے اٹھارویں باب میں دیکھا جا سکتا ہے۔ روزخوف، میولر (MULLER)، گولڈزیہر (GOLDZIHER) اور کریمر جیسے مستشرقین کی آرا کو سب سے زیادہ قابل استناد سمجھتا ہے۔ علاوہ بریں اسلام کی توجیہ و تعبیر کرتے ہوئے وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے

سلہ اسلام میں ثواب و عذاب کا جو تصور ہے اور نیک عمل کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری اور برے عمل کرنے والوں کو عذاب الیم کی جو وعیدیں دی گئی ہیں غالباً اُسی کی وجہ سے ان روسی مصنفین کے دماغ میں یہ بات آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو ایک بلند مرتبت تاجر بنا کر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ ک۔ ا۔ ت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذاتی اعمال و کردار پر "ضرورت سے زیادہ" زور دیتا ہے (غالباً اسی سبب سے اس کے افکار و آراء روسی مصنفین کے نزدیک چنداں قابل اعتنا نہیں ہیں۔)

(۳) ایم۔ ایل۔ تومر کا نظریہ اُس کے ایک مقالے "اسلام کی ابتدا اور اُس کی طبقاتی بنیاد" میں شرح و بسط کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ تومر نے اپنے اس مقالے میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اسلام کا نظام اپنے عہد کے کسی موجود نظام پر قائم نہیں ہوا بلکہ ایک آزاد و خود مختار "احساس کے ذریعے حاصل کردہ خیال کا ذہنی قالب ہے۔ اُس کو مکہ کے تجارتی سرمایہ نے مکہ سے نکال باہر کیا اور اُس نے اپنا امتیازی نشان مدینہ کے عوام کے توسط سے حاصل کیا۔ اس نظریے کے باوجود تومر کا یہ خیال ہے کہ اسلام ناداروں اور دبے دبائے عوام کا مذہب ہے۔ تومر کا نظریہ مارکسی نقطۂ نظر سے بالکل میل نہیں کھاتا اس لیے روس میں یہ اپنا دیرپا اثر نہ چھوڑ سکا۔

(۴) موروزوف کا نظریہ اس کی کتاب "عیسیٰ مسیح" (مطبوعہ ۱۹۳۰) کی چھٹی جلد میں "اسلام کب آیا" کے عنوان سے بیان ہوا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے "عہد وسطیٰ میں اسلام صرف اریجن ازم[۱] (AR-JANISM) کی شاخ تھا جس پر مکہ کے نزدیک کے بحیرۂ احمر کے موسمیاتی اثرات نمایاں تھے اور اپنی بت شکنی میں یہ بازنطینیوں کے مماثل تھا۔ موروزوف کے نزدیک قرآن کی ترتیب کا کام گیارہویں صدی عیسوی کے اواخر تک ہوتا رہا وہ اس بات کا بھی قایل ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں کسی مذہب کا جنم نہیں ہو سکتا کیوں کہ یہ خطہ متمدن دنیا سے کافی دوری پر واقع ہے عہد وسطیٰ کے آبائی مسلمان، اگروں[۲] (AGARS)، اسماعیلیوں[۳] (ISHMAELITES) اور ساراسینوں[۴] (SARACENS)

---

[۱] یہ اصطلاح کسی بھی لغت یا قاموس میں نہیں ملی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اصطلاح ARIANISM ہو اور غلطی سے I کی جگہ J چھپ گیا ہو۔ بہر حال آرین ازم کا نظریہ چوتھی صدی عیسوی کے ایک مذہبی عالم ARIUS سے منسوب ہے جس نے عیسائیوں کے نظریۂ تثلیث کے خلاف اپنا نظریہ پیش کیا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ماننے سے انکار کر دیا تھا ملاحظہ ہو Webster's Dictionary of the English Language.

[۲] ملاوں باشندے مراد ہیں۔ [۳] انگریزی زبان میں ابتدا میں یہ لفظ حضرت اسماعیل کی اولاد کے لئے بولا جاتا تھا۔ اب یہ لفظ ہر عرب کے لئے مستعمل ہے کیونکہ عربوں کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

[۴] اصلاً یہ انگریزی لفظ شام اور اس کے نواحی علاقوں کے خانہ بدوش باشندوں کے لئے بولا جاتا تھا پھر ان مسلمانوں کے لئے بولا جانے لگا جو صلیبی جنگوں میں حصہ لیں۔ اب یہ ہر عرب کے لئے بولا جاتا ہے۔ ک۔ا۔ج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی کی طرح صلیبی جنگوں کے زمانے سے قبل تک بالکل یہودیوں جیسے تھے اور دونوں میں تفریق نہیں کی جا سکتی تھی۔ صلیبی جنگوں کے بعد مسلمانوں نے اپنا آزاد اور خود مختار تشخص حاصل کیا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے جانشینوں کی شخصیتیں اسی طرح (نعوذ باللہ) غیر معتبر ہیں جس طرح عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے حواریوں کی شخصیتیں۔"

(۵) ٹالسٹوف (TOLSTOV) نے اپنے مقالے "ابتدائی اسلام کا خاکہ" میں اپنا جو نظریہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کی ابتدا کے بارے میں اب تک جو نظریات بیان کئے گئے ہیں وہ سب کے سب غلط ہیں کیونکہ اس کے نزدیک اسلام کا ظہور نہ تو کسی خاص طبقہ کے لیے ہوا تھا اور نہ ہی اس کے عالم وجود میں آنے کی وجہ کوئی ایک سماجی سبب تھا۔ اس کے نزدیک اسلام کے پس پشت جو محرک قوت کارفرما تھی اس میں خانہ بدوش قبائل، تجارت پیشہ بورژوا اور نادار زراعت پیشہ افراد، سب ہی شامل تھے۔

درج بالا تفصیل سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ٹالسٹوف کو چھوڑ کر اس دور کے "اسلام شناس" روسی مصنفین تاریخ ادیان اور تاریخ عالم سے کس حد تک واقف تھے اور کس طرح عقل و دانش کو بالائے طاق رکھ کر اپنے اپنے مفروضات کی کسوٹی پر اسلام کو جانچنے، پرکھنے اور لوگوں کے سامنے پیش کرنے میں مصروف تھے۔

اسی زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا بھی خاص طور سے "مطالعہ" کیا گیا۔ اب ہم درج ذیل سطور میں روسی مصنفین کی گل افشانیٔ گفتار کے اس پہلو کا سرسری سا ذکر کریں گے تاکہ ان کی فکر و فہم کا حال کچھ اور کھل کر سامنے آجائے۔

گذشتہ سطور میں موروزوف کی کور نظری کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے اور لکھا جا چکا ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخی شخصیت سے (نعوذ باللہ) انکار کیا ہے۔ موروزوف کا یہ نظریہ تاریخ عالم سے اس کی ناواقفیت کی بین دلیل ہے لیکن یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوتا ہے کہ زمانۂ زیر بحث کے بہت سے روسی "اسلام شناس" نہ صرف اس کے ہم نوا ہو گئے بلکہ انھوں نے اس مفروضہ کو مزید وسعت دینے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں کلیموویچ نے ایک مقالہ "کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وجود تھا" کے عنوان سے لکھا جو ۱۹۳۰ء میں شایع ہوا۔ اس مقالے میں کلیموویچ نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانح کے بارے میں ہم کو جن ذرائع سے علم ہوتا ہے وہ ان کے انتقال کے بہت بعد کے ہیں اس لیے ان پر تکیہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس زمانے کے مصنفین میں ٹالسٹوف کا رویہ قدرے مختلف نظر آتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ کلیموویچ نے جو رویہ اپنایا ہے وہ منفی ہے اور اس منفی رویہ کی مدد سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن اس سے یہ نتیجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں نکالنا چاہیے کہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ٹالسٹوف کا رویہ یکسر عقلی اور ہمدردانہ ہے۔ ٹالسٹوف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو ایک دوسرے ہی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے۔ قرآن پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے سلسلے میں جگہ جگہ پر جو اشارے ہوئے ہیں ان کو تو ٹالسٹوف نظر انداز کر دیتا ہے اور تولدیکی کے اس نظریے کی ہم نوائی کرتا ہے۔ جو "قرآن کو چار قسموں (GROUPS) میں تقسیم کرتا ہے۔ اس کے نزدیک اِن میں سے دو قسمیں مکّی ہیں اور دو مدنی۔ اس کا خیال [۱] ہے کہ قرآن میں نہ تو صراحتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل نام کا ذکر ہے نہ ہی اُس مقام کا نام ملتا ہے جہاں قریش سے آپ کی جنگ ہوئی تھی [۵۶]۔ اور نہ ہی ہجرت کے بارے میں قرآن کوئی روشنی ڈالتا ہے۔ اپنے انہی خیالات کی روشنی میں ٹالسٹوف بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو اسطوری (MYTH) قرار دیتا ہے اور اِسی سلسلۂ سخن میں اسلام کو شامنی مذہب [۲] کا مثل بتاتا ہے۔ اس مذہب میں پروہت کو جو درجہ اور اہمیت حاصل ہے' اس کے نزدیک اسلام میں وہی درجہ اور وہی اہمیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے جن کو تقریباً نصف مسلم دنیا خدا سے کچھ ہی کم درجہ پر رکھتی ہے۔ ٹالسٹوف کے نزدیک اس اسطور کے عالم وجود میں آنے کی وجہ یہ ہے کہ اسی کے ذریعہ خانہ بدوش قبایل، تجارت پیشہ طبقے اور زراعت پیشہ افراد کو ایک پلیٹ فارم پر لاکر ایک نئی جاگیردارانہ اشرافیہ کی تخلیق کی جائے۔

ٹالسٹوف کے مفروضہ کو مزید علمی رنگ دیتے ہوئے آئی۔ این۔ وِن نی کوف (I.N. VINNIK-OV

---

[۱] یہ قرآن سے لاعلمی کی بین دلیل ہے اگر ٹالسٹوف نے اس سلسلے میں کسی مسلمان سے رجوع کیا ہوتا تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ قرآن میں صراحتاً لفظ محمد چار بار اور لفظ احمد ایک بار آیا ہے۔ یہی حال غزوات کا بھی ہے سورہ آل عمران میں غزوۂ بدر، سورۂ توبہ میں غزوۂ حنین اور سورۂ احزاب میں غزوۂ خندق (احزاب) کا ذکر موجود ہے جو ٹالسٹوف کو نظر نہیں آیا۔

[۲] یہ سائبیریا کا ایک مذہب ہے "اس کے معتقدوں کا عقیدہ ہے کہ بدروحیں انسان کے نفع و ضرر پر قادر ہیں اور ان کے پروہت یا مذہبی پیشوا اُن بدروحوں کے اثر کو پامال کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔"
(مولوی عبدالحق، THE STANDARD ENGLISH URDU DICTIONARY، انجمن ترقی اردو دہلی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۱۲۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے ایک مقالہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ندائے غیبی کی دیو کہانی نسل انسانی کی مختلف شاخوں کے علم کی روشنی میں" کے عنوان سے لکھ کر ۱۹۳۲ء میں شائع کروایا۔ اُس کے نزدیک اس دیو کی کہانی (LEGEND) کے دو جدا جدا پہلو ہیں ایک پہلو کو وہ فعال یا سرگرم (ACTIVE) اور دوسرے کو انفعالی (PASSIVE) کہتا ہے انفعالی پہلو تو یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس ندائے غیبی سے مزاحم ہوتے ہیں[1] اور سرگرم پہلو یہ ہے کہ وہ اس پر اصرار کرتے ہیں۔ وِن ٹی کوف کے نزدیک یہ دونوں ہی پہلو شامنی مذہب (SHAMANISM) کی مخصوص خصوصیات ہیں اور ان کا کچھ نہ کچھ اثر ہر مذہب پر دکھائی دیتا ہے۔ وِن ٹی کوف نے صرف اِسی مفروضہ پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پہلی بار ندائے غیبی کو سننے کے بعد اس بات کی جو خواہش کی تھی کہ ان کو کوئی چیز اوڑھا دی جائے اور ان کے سر پر پانی ڈالا جائے تو یہ خواہش بھی اس دیو کہانی کے انفعالی پہلو کو ظاہر کرتی ہے اور اس کا سراغ غیر مہذب سماج میں جادو کا جو تصور تھا، اس سے جڑا ہوا ہے۔ جادو کا یہ تصور ظہور اسلام سے قبل کے عرب کے مختلف قبائل میں عام تھا۔ اس طرح مقالہ نگار نے نزول وحی کے تصور کو جادو ٹونے کے تصور سے جوڑ کر نزول وحی کی اصلیت و حقیقت سے آنکھیں بند کر لیں ہیں اور اپنے مفروضہ کو ایک علمی کارنامہ بنا کر روس کے "اسلام شناسوں" سے خراجِ تحسین حاصل کیا ہے۔

سمر نوف نے ۱۹۴۴ء تک کے جن مقالوں یا کتابوں کا ذکر کیا ہے ان کا ایک سرسری سا جائزہ درج بالا سطور میں پیش کیا جا چکا۔ اِن سطور کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انقلاب روس کے بعد بھی روسی مصنفین اسلام کے ہر سیدھے سادے سے تصور کو فلسفہ کی بھول بھلیوں میں گم کر دینے کی کوشش کرتے رہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ روس کی ایک بہت بڑی آبادی کو گمراہ کر دینے میں کامیاب بھی ہوئے۔

---

[1] مقالہ نگار نے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں پیش کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اور کب ندائے غیبی سے مزاحم ہوئے؟ (ک۔ا۔ج)

اپنے معاونین سے

ادارہ کا اکاونٹ IDARA-E-TAHQEEQ-O-TASNEEF-E-ISLAMI کے نام سے ہے۔ براہ کرم اپنا چیک یا ڈرافٹ اسی نام سے بھیجیں، اس میں کسی لفظ کی کمی بیشی سے زحمت ہوتی ہے۔ امید ہے آپ کا تعاون ہمیں مستقل حاصل رہے گا۔ (منیجر)

© rasailojaraid.com